© rasailojaraid.com

ہمارے دینی مدارس

توقعات، ذمہ داریاں اور مایوسی

ہمارے معاشرہ میں دینی مدارس کے کردار کے مثبت پہلو کے بارے میں کچھ گذارشات "الشریعۃ" کے گذشتہ سے پیوستہ شمارے میں پیش کی جا چکی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ فرنگی اقتدار کے تسلط، مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار اور صلیبی عقائد و تعلیم کی بالجبر ترویج کے دور میں یہ مدارس ملی غیرت اور دینی حمیت کا عنوان بن کر سامنے آئے اور انہوں نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں سیاست، تعلیم، معاشرت، عقائد اور تہذیب و ثقافت کے محاذوں پر فرنگی سازشوں کا جرأتمندانہ مقابلہ کر کے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کو سپین بننے سے بچایا۔ اور یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آج اس خطۂ زمین میں مذہب کے ساتھ وابستگی اور اسلام کے ساتھ وفاداری کے جن مظاہر نے کفر کی پوری دنیا کو لرزہ براندام کر رکھا ہے عالم اسباب میں اس کا باعث صرف اور صرف یہ دینی مدارس ہیں لیکن مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصویر کے دوسرے رخ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے اور ارباب فہم و دانش کی ان توقعات اور امیدوں کا مرثیہ بھی پڑھ لیا جائے جن کا خون ناحق ہمارے دینی مدارس کی اجتماعی قیادت کی گردن پر ہے۔

تفصیلات و فروعات تک گفتگو کا دائرہ وسیع کرنے کی بجائے ہم اپنی گذارشات کو صرف دو اصولی باتوں کے حوالے سے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) جدید مغربی فلسفۂ حیات کے اثرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمارے دینی مدارس کا کردار کیا ہے؟ اور

(۲) مسلم معاشرے میں نفاذِ اسلام کے ناگزیر علمی و فکری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان دینی مدارس کا نظام کار اور حکمت عملی کیا ہے؟

ایک دور تھا جب یونانی فلسفہ نے عالم اسلام پر یلغار کی تھی اور عقائد و افکار کی دنیا میں بحث و تمحیص کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اگر اس وقت عالم اسلام کے تعلیمی مراکز اور ارباب علم یونانی فلسفہ کی اس یلغار کو وقتی طوفان سمجھ کر نظر انداز کر دیتے اور اپنے کان اور منہ لپیٹ کر اس کے گذر جانے کا انتظار کرتے رہتے تو اسلامی علوم و عقائد کا پورا ڈھانچہ فلسفۂ یونان کی حشر سامانیوں کی نذر ہو جاتا لیکن علماء اسلام نے اس دور میں ایسا نہیں کیا بلکہ یونانی فلسفہ کے اس چیلنج کو قبول کر کے خود اس کی زبان میں اسلامی عقائد و افکار کو اس انداز سے پیش کیا کہ یونانی فلسفہ کے لیے پسپائی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا اور اس کے برپا کیے ہوئے فکری اور نظریاتی معرکوں کے تذکرے آج رازیؒ، غزالیؒ، ابن رشدؒ اور ابن تیمیہؒ کی تصنیفات میں یادگار کے طور پر باقی رہ گئے ہیں۔ یورپ کے جدید فلسفۂ حیات کی یلغار بھی یونانی فلسفہ کے حملے سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ یہ فلسفۂ حیات جس نے انقلاب فرانس کے ذریعے اپنا وجود تسلیم کرایا اور پھر یورپ کے صنعتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انقلاب کے زیر سایہ اپنا دائرہ وسیع کرتے ہوئے آج دنیا کے اکثر و بیشتر حصہ کو لپیٹ میں لے چکا ہے۔ خود کو انسانی زندگی کے ایک ہمہ گیر فلسفہ کے طور پر پیش کرتا ہے اور انسان کی پیدائش کے مقصد سے لے کر انسانی معاشرت کے تقاضوں اور مابعد الطبیعات کی وسعتوں تک کو زیر بحث لاتا ہے۔ ڈارون، فرائیڈ، نطشے اور دیگر مغربی فلاسفروں اور سائنس دانوں کی گزشتہ دو صدیوں پر محیط فکری کاوشوں اور نظریاتی مباحث کا خلاصہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ کلیسا کی بدکرداریوں اور مظالم کے رد عمل کے طور پر جنم لینے والے اس فلسفہ کو یورپ نے ایک مکمل فلسفہ حیات کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے ذریعہ وہ دنیا میں موجود اسلام سمیت تمام فلسفہ ہائے حیات کو مکمل شکست سے دوچار کر کے فنا کے گھاٹ اتارنے کے درپے ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے یورپ کی اس فکری یلغار کی ماہیت اور مقاصد کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اسے محض اعتقادی اور سیاسی بالادستی کا جنون سمجھ کر اسی انداز میں اس کا سامنا کرتے رہے اور اس کے فکری اور اعتقادی پہلوؤں کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ یونانی فلسفہ کے در آنے سے ہمارے ان عقائد کے نئے مباحث چھڑ گئے تھے جنہیں علماء اسلام نے اپنے فکری اور علمی مباحث میں سمو دیا اور ہمارے عقائد کی بیشتر کتابیں ان مباحث سے بھرپور ہیں حتیٰ کہ دینی مدارس کے نصاب میں آج بھی طلباء کو عقائد کے حوالے سے انہی مباحث سے روشناس کرایا جاتا ہے جو یونانی فلسفہ کی پیداوار ہیں اور جن میں زیادہ تر کا آج کے نئے فکری اور اعتقادی تقاضوں کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

لیکن جو اعتقادی مباحث یورپ کے فلسفہ حیات نے چھیڑے ہیں نہ ہماری عقائد کی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی ہم طلبہ کو ان مباحث کی ہوا لگنے دیتے ہیں۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء، انسان کے مقصد وجود میں کشش جنسی کی محوری حیثیت کے بارے میں فرائیڈ کے [illegible] اور [illegible] سے مذہب کی مکمل لاتعلقی اور غیر محدود فکری آزادی کا نعرہ آخر اعتقادی مباحث نہیں تو اور کیا ہیں؟ اور کیا انہی افکار و نظریات کا شکار ہو کر مسلمان کہلانے والوں کی ایک بڑی تعداد اسلام کے اجتماعی کردار سے منکر یا کم از کم متذبذب نہیں ہو چکی ہے؟ اس اعتقادی فتنہ کی روک تھام کے لیے ہمارے دینی مدارس کا کردار کیا ہے؟ ہمارے نصاب میں تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد کی کون سی کتاب میں یہ مباحث شامل ہیں اور ہم اپنے طلبہ کو ان مباحث سے روشناس کرانے اور انہیں ان کے جواب کی خاطر تیار کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں۔

یہ وقت کا ایک اہم سوال اور دینی مدارس کی اجتماعی قیادت پر مسلم معاشرہ اور نئی نسل کا ایک قرض ہے جس کا سامنا کیے بغیر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ فروعی اور جزوی مسائل ہمارے ہاں بنیادی اور کلیدی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور جو امور فکر و اعتقاد کی دنیا میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی ہماری نظر میں کوئی وقعت ہی باقی نہیں رہی۔ ہماری پسند ناپسند اور وابستگی و لاتعلقی کا معیار جزوی مسائل اور گروہی تعصبات ہیں۔ ایک مثال بظاہر معمولی سی ہے لیکن اس سے ہماری فکری ترجیحات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ ہمارے ایک دوست نے جنہوں نے خالص دینی ماحول سے تربیت حاصل کی ہے گزشتہ دنوں ایک بڑے سیاسی لیڈر کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا کہ وہ بہت اچھا اور صحیح العقیدہ لیڈر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک بیان میں کہا ہے کہ میں برسیوں اور عرسوں میں شامل ہونے کا قائل نہیں ہوں۔ ان سے عرض کیا گیا کہ وہ سیاسی لیڈر تو سیکولر نظریات کا قائل ہے اور اجتماعی زندگی میں نفاذ اسلام کو ذہنی طور پر قبول نہیں کرتا۔ اس کے جواب میں ہمارے اس دوست کا کہنا یہ تھا کہ یہ تو سیاسی باتیں ہیں اصل بات یہ ہے کہ وہ [illegible] اور برسیوں کا مخالف ہے اس لیے وہ ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلک کا ہے اور صحیح العقیدہ ہے یعنی اسلام کے اجتماعی زندگی میں نفاذ کا مسئلہ سیاسی ہے اور رسولوں میں شریک ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ اعتقادی ہے۔ آخر یہ سوچ کہاں سے آئی ہے۔ کیا یہ ہمارے دینی مدارس کی غلط فکری ترجیحات کا ثمرہ نہیں ہے۔ اب آیئے دوسرے نکتہ کی طرف کہ نفاذِ اسلام کے علمی و فکری تقاضوں کی تکمیل کے لیے ہمارے دینی مدارس کا کردار کیا ہے؟

جہاں تک نفاذِ اسلام کی اہمیت کا تعلق ہے کوئی مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا اور علماء اہل سنت نے اسے اہم ترین فرائض میں شمار کیا ہے بلکہ ابن حجر مکیؒ اور دیگر ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لیے خلافت کا قیام "اہم الواجبات" ہے جیسے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر بھی ترجیح دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ اور تدفین سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بطورِ خلیفہ انتخاب کیا۔

پھر برصغیر میں ہمارے اکابر کی جنگِ آزادی کا بنیادی مقصد بھی حصولِ آزادی کے بعد نظامِ اسلام کا غلبہ و نفاذ رہا ہے اور پاکستان کا قیام بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعرہ پر شریعت اسلامیہ کی بالادستی کے لیے عمل میں آیا لیکن اسلام کو ایک اجتماعی نظام کے طور پر ہمارے دینی مدارس میں نہ پڑھایا جا رہا ہے اور نہ ہی طلبہ کی اس انداز سے ذہن سازی کی جا رہی ہے کہ وہ اسلام کا مطالعہ ایک نظام کے طور پر کریں حالانکہ حدیث اور فقہ کی بیشتر کتابیں محدثین اور فقہاء نے اس انداز سے لکھی ہیں کہ ان میں اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کا الگ عنوان کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاق کے علاوہ تجارت، خلافت، جہاد، دوسری اقوام سے تعلقات، صنعت، زمینداری، حدود و تعزیرات، نظامِ عمل، نظامِ عدالت، معاشرت اور دیگر اجتماعی شعبوں کے بارے میں حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مفصل اور جامع ابواب موجود ہیں جن کے تحت محدثین اور فقہاء نے احکام و روایات کا بیش بہا ذخیرہ جمع کر دیا ہے لیکن ان ابواب کی تعلیم میں ہمارے اساتذہ کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے اور ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ہمارے اساتذہ کے علم اور بیان کا سارا زور کتاب الطہارت اور صلوٰۃ کے جزوی مباحث میں صرف ہو جاتا ہے اور خلافت و امارت، تجارت، صنعت، جہاد، حدود و تعزیرات اور اجتماعی زندگی سے متعلق دیگر مباحث سے یوں کان لپیٹ کر گزر جاتے ہیں جیسے ان ابواب کا ہماری زندگی سے کوئی واسطہ نہ ہو یا جیسے ان ابواب کی احادیث اور فقہی جزئیات منسوخ ہو چکی ہوں اور اب صرف تبرک کے طور پر انہیں دیکھ لینا کافی ہو حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ اجتماعی زندگی سے متعلق ابواب کو زیادہ اہتمام سے پڑھایا جاتا۔ قانون، سیاست، خارجہ پالیسی، جنگ اور اجتماعیت کے جدید افکار و نظریات سے اسلامی تعلیمات کا تقابل کر کے اسلامی احکام کی برتری طلباء کے ذہنوں میں بٹھائی جاتی اور انہیں اسلامی افکار و نظریات کے دفاع اور اس کی عملی ترویج کے لیے تیار کیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس اہم ترین دینی و قومی ضرورت سے مسلسل صرفِ نظر کیا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کی پچانوے فی صد اکثریت خود اسلامی نظام سے ناواقف اور جدید افکار و نظریات کو سمجھنے اور اسلامی احکام کے ساتھ ان کا تقابل کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کے اعتراف میں کسی حجاب سے کام نہیں لینا چاہیے اور اس کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی تلافی کی کوئی صورت نکالنی چاہیے۔

آج نفاذِ اسلام کی راہ میں ایک بڑی عملی رکاوٹ یہ بھی ہے کہ اس نظام کو چلانے کے لیے رجالِ کار کا فقدان ہے۔ اسلامی نظام کو سمجھنے والے اور اسے چلانے کی صلاحیت سے بہرہ ور افراد کا تناسب ضرورت سے بہت کم ہے۔ اس کی وجہ آخر [illegible] کس نے پُر کرنا ہے؟ جس نظام تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریم لارڈ میکالے کا نظامِ تعلیم کہتے ہیں اس سے توقع ہی عبث ہے کہ وہ اسلامی نظام کے لیے کل پرزے فراہم کرے گا اور دینی نظامِ تعلیم اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کردار ادا نہیں کر رہا تو اسلامی نظام کے لیے رجالِ کار کیا آسمان سے اتریں گے۔ دینی مدارس کے اجتماعی کردار کے منفی پہلوؤں کے بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش موجود ہے بلکہ بہت کچھ کہنے کی ضرورت ہے لیکن ہم صرف مذکورہ دو اصولی مباحث کے حوالے سے توجہ دلاتے ہوئے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام، دینی مدارس کی اجتماعی قیادت بالخصوص وفاق المدارس العربیہ، تنظیم المدارس اور وفاق المدارس السلفیہ کے اربابِ حل و عقد سے گذارش کریں گے کہ وہ اس صورتِ حال کا سنجیدگی سے نوٹس لیں اور یورپ کے لادینی فلسفۂ حیات کو فکری محاذ پر شکست دینے اور نفاذِ اسلام کے لیے رجالِ کار کی فراہمی کے محاذ پر اپنے کردار کا از سرِ نو تعین کریں ورنہ وہ اپنی موجودہ کارکردگی اور کردار کے حوالے سے نہ خدا کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکیں گے اور نہ ہی مؤرخ کا قلم ان کے اس منفی کردار کو بے نقاب کرنے میں کسی رعایت اور نرمی سے کام لے گا۔

بقیہ: امراض و علاج

غزلیں گانے، ماحول، عریاں تصاویر، مرد عورت کے ملاپ کا تصور ذہن میں رکھنا، آتشک یا سوزاک کی بیماری کا ہونا یا مثانہ پیشاب سے پُر ہونا اور سو جانا، اعضاء تناسل کی کمزوری، نرم و نازک بستر کا استعمال، غدہ قدامیہ کی سوزش، رات کا کھانا دیر سے کھا کر فوراً سو جانا اس کے اسباب ہوا کرتے ہیں۔

علاج اور پرہیز تمام بادی اور معدہ کی اشیاء سے قطعاً پرہیز رکھیں۔ قبض کا خاص خیال رکھیں۔ رات کو پینے والی اشیاء...

(۱) گرکس۔ اجوائن خراسانی۔ تخم بند ایک ایک تولہ باریک کرکے ایک چنے کے برابر گولی یا سفوف صبح شام دودھ سے کھائیں (۲) معجون آرد خرما بازار سے خریدیں۔ ایک تولہ میں ایک رتی کشتہ قلعی ملا کر چھ چھ ماشے صبح شام دودھ سے کھائیں۔ (۳) موچرس ایک تولہ کشتہ صدف صادق۔ چھ ماشہ۔ پہلے موچرس باریک کرکے بعد میں کشتہ ملا کر دو ماشہ سفوف صبح شام مکھن سے کھائیں۔ ان میں سے کوئی بھی نسخہ کھائیں انشاء اللہ جریان، احتلام، سرعت انزال بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ طلاء تخم مولی ایک تولہ کو پانچ تولہ سرسوں کے تیل میں ۲۴ گھنٹہ کھرل کرکے رات کو حشفہ چھوڑ کر مل لیا کریں۔ صبح نیم گرم پانی سے دھو دیں۔ تمام نقائص ایک ماہ میں ختم۔ معلومات کے لیے جوابی لفافہ لکھیں۔

چشم براہ، حکیم قاری محمد عمران مغل بی اے

ماہنامہ الشریعۃ گوجرانوالہ

بقیہ: علوم حدیث کی تدوین

اختیار کیے ہیں جن سے زیادہ محتاط اور معقول طریقے انسان کے بس میں نہیں ہیں اور یہ کوشش اور کاوش محض احادیث کو سنداً و متناً و مراداً محفوظ رکھنے کے لیے ہے مگر منکرینِ حدیث کو ان حقائق سے کیا واسطہ وہ قرآن کاوشوں کو بازیچۂ اطفال سے تعبیر کریں گے ۔۔ زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو تو کیا طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

لغات الحدیث: اس فن میں متعدد کتابیں ہیں جن میں النہایہ فی غریب الحدیث لابن الاثیر (مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد الجزریؒ المتوفی ۶۰۶ھ) الفائق علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ) المغرب للعلامۃ ابی الفتح ناصر الدینؒ بن عبد السید الحنفی الخوارزمیؒ المتوفی ۶۱۰ھ اور مجمع البحار للعلامۃ محمد ابن طاہر المتوفی ... مشہور کتابیں ہیں۔

(نوٹ) گذشتہ شمارہ میں علاج گردہ میں جوارش زرعونی سادہ کی بجائے زعفرانی لکھا گیا ہے۔ درست فرمالیں)

© rasailojaraid.com